بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

ہم اپنے ناظرین کو خاص طور پر ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب کے اس سنجیدہ اور مفکرانہ خطبہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں جو اس اشاعت میں بعنوان "ہندوستان میں اسلامی تہذیب"، درج کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس خطبہ میں چھوٹے چھوٹے جزئی مسائل کو چھوڑ کر اُس اصل مسئلہ کو سمجھانے کی کوشش کی ہے جو اس وقت ہندوستان میں مسلم قوم کو درپیش ہے، اور فی الواقع اب یہ بہت ضروری ہو گیا ہے کہ فروعات سے الگ کر کے اس مسئلہ کو واضح اور منقح صورت میں پیش کیا جائے، تاکہ ہم اپنے اہل ملک کو غلط فہمی سے، اور خود اپنی قوم کو دھوکا کھانے سے بچا سکیں۔

مسلمانوں کے صاحب علم اور صاحب فکر لوگوں نے اس باب میں جس غفلت سے کام لیا ہے، اس کا نتیجہ ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ یہ مسئلہ بالکل نااہل اور ناقابل اعتماد لوگوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن گیا ہے، اور انہوں نے اس کو نہایت غلط طریقوں سے پیش کر کے دوسروں ہی کو نہیں خود اپنی قوم کو بھی پریشان خیالیوں اور غلط فہمیوں میں مبتلا کر دیا ہے۔

ان میں سے ایک بڑی جماعت تو اسلام کا صحیح علم ہی نہیں رکھتی، اور نہ اس حقیقت کو سمجھ سکتی ہے کہ مغربی علوم کے فروغ، غیر مسلم حکومت کے اقتدار، اور اب جدید نیشنلزم کے بڑھتے ہوئے سیلاب سے مسلم قوم کے لیے فی الواقع کونسا بنیادی سوال پیدا ہو گیا ہے۔ یہ لوگ بغیر سمجھے بوجھے محض چند سطحی اور

حقیر سے جزئیات کو مسلمانوں کے قومی مسائل بنا کر پیش کرتے ہیں، اور ان پر مناسب حد سے بہت زیادہ زور دیکر اپنی پوزیشن کو اور زیادہ مضحکہ خیز بنا دیتے ہیں۔ اس سے ہوشیار لوگوں کو یہ خیال پھیلانے کا اچھا موقع مل جاتا ہے، کہ مسلمانوں کا قومی مسئلہ چند بہت ہی چھوٹی چھوٹی باتوں سے مرکب ہے جن کو محض جہالت تنگ نظری اور نادانی کی وجہ سے اتنی اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔

ایک دوسری جماعت جس نے اس مسئلہ کی حمایت میں اپنے آپ کو بہت نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے، انگریزی سلطنت کے وفادار غلاموں پر مشتمل ہے، اور ان کا فائدہ اسی میں ہے کہ اصل مسئلہ کو فروعات میں گم کر دیا جائے، تاکہ مسلمان فضول چیزوں پر لڑ کر اپنی قوت ضائع کرتے رہیں اور ان کی جان ومال کے خرچ پر سرکار برطانیہ کا کام بنتا رہے۔ ان حضرات کی مداخلت سے اس مسئلہ کی عزت و وقعت اور بھی زیادہ کم ہو گئی ہے اور مخالف گروہ کے لوگوں کو یہ مشہور کرنے کا بہت اچھا بہانہ ہاتھ آ گیا ہے کہ درحقیقت مسلمانوں کے قومی مسئلہ کا کوئی وجود ہی نہیں ہے، یہ تو محض امپیریلسٹ پالیسی کا ایک شاخسانہ ہے، اور صرف ٹوڈیوں، رجعت پسندوں اور سرکار پرستوں ہی کی اغراض نے اسے پیدا کیا ہے۔

ان دونوں گروہوں کی بدولت جو نقصان ہمارے مقدمہ کو پہنچا ہے، اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ غیر تو غیر خود مسلمان بھی اب اس دھوکہ میں مبتلا ہو جاتے رہے ہیں کہ درحقیقت ہمارا کوئی قومی مسئلہ نہیں ہے۔ اور اگر ہے بھی تو وہ ایسا اہم نہیں کہ آزادئ وطن کے مسئلے سے بڑھ کر ہم کو اس کی فکر ہو۔ چنانچہ مسلمانوں کے اپنے آدمیوں کی زبانوں پر اب وہی باتیں آنے لگی ہیں جو کل تک غیر مسلم اخباروں اور لیڈروں کی زبان و قلم پر تھیں — یعنی مسلم مفاد کا نام لینا رجعت پسندی اور ٹوڈیت اور فرقہ پرستی ہے — یہ جادو عوام سے گذر کر علماء پر بھی چڑھ رہا ہے اور وہ لوگ اس سے متاثر ہو رہے ہیں جنکا اصلی فرض یہ تھا کہ جانشینان رسول ہونے کی حیثیت سے اس مسئلہ کو سمجھتے اور سمجھاتے اور جانشینان رسول ہونے کی حیثیت ہی سے اس کو حل کرنے کی کوشش

کرتے۔ اب اگر ہماری قوم کے وہ چند ارباب فکر جو حقیقت کو سمجھتے ہیں اور سمجھانے کی بھی اہلیت رکھتے ہیں اور جن کا ذہن ابھی تک بیرونی اثرات سے آزاد ہے، مہر خاموشی نہ توڑیں گے اور صاف صاف حقیقت کو بیان نہ کریں گے تو یقیناً زمانے کی دو تین گردشیں بھی نہ گزرنے پائیں گی کہ مسلمانوں کی پوری قوم قریب میں مبتلا ہو جائے گی۔ اس میں شک نہیں کہ اب مسلمانوں کے مفاد کا نام لینا اپنے آپ کو بڑے خطرے میں ڈالنا ہے کیونکہ اب غیروں ہی سے نہیں خود اپنے بھائیوں سے بھی ایسے شخص کو گالیاں سننی پڑیں گی اور انسان کے لیے غیروں کی گالیوں سے بدرجہا زیادہ دلشکن ان لوگوں کی گالیاں ہوتی ہیں جن کی بھلائی کے لیے وہ کام کرتا ہے، لیکن خواہ نتائج کیسے ہی تلخ ہوں جن لوگوں کو اپنی ذات کے مفاد سے بڑھ کر اپنی قوم کا مفاد عزیز ہے، انھیں ہر بُرے سے بُرے نتیجہ کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہونا چاہیے، اور کم از کم تذکیر کا فرض بجا لانے سے ہرگز منہ نہ موڑنا چاہیے۔

اس کو مسلمانوں کی بدنصیبی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ لوگ جو سب سے بڑھ کر ان کے قومی مزاج کو سمجھنے والے، اور ان کے جذبات و داعیات کا صحیح حال جاننے والے، اور ان کے قلب و روح کی سچی نمائندگی کرنے والے ہو سکتے تھے، اور جن سے یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ اس قوم کی حقیقی مشکلات کو سمجھ کر کوئی کارگر تدبیر علاج تجویز کریں گے، آج وہ بھی زمانہ کے غالب اثرات کی رو میں بہتے جا رہے ہیں، اور نادانستہ انکی زبانوں سے وہ باتیں نکل رہی ہیں جو کل تک زیادہ کھلے ہوئے الزامات کی صورت میں غیروں کی زبان سے نکلا کرتی تھیں۔ مثال کے طور پر میں اس تقریر کا اقتباس نقل کرتا ہوں جو ابھی حال میں مولٰنا سید سلیمان ندوی نے مدراس میں ارشاد فرمائی ہے ـــ مولٰنا کے علم و فضل، انکی صداقت، ان کے تفکر و تدبر کا جیسا معترف میں ہمیشہ سے تھا ویسا ہی آج بھی ہوں، اور خاص طور پر ان کی تقریر کا اقتباس نقل کرنے سے میرا مدعا ان کی ذات گرامی پر کوئی حرف لانا نہیں ہے، بلکہ

دراصل میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ وقت کے غالب خیالات نے ہماری قوم کے اتنے بڑے صاحب فکر و بالغ النظر عالم پر بھی کیا اثر کیا ہے ــــ مولانا فرماتے ہیں۔

”اس وقت تین ہی صورتیں ہیں۔ یا تو مسلمان اپنے گھروں کے دروازے بند کرکے بیٹھ رہیں اور جب آزادی کی جنگ ختم ہو جائے تو وہ اپنے دروازے کھول کر باہر نکلیں اور گلیوں میں آزادی کی بھیک مانگتے پھریں۔ یا یہ کریں کہ اپنا کیمپ الگ لگائیں اور یہ دیکھتے رہیں کہ آزادی کی فوج اپنی قوت بازو سے کب میدان جیتتی ہے اور مال غنیمت پر قبضہ کرتی ہے اس وقت وہ آگے بڑھیں اور فاتح فوج سے مال غنیمت میں جھگڑا کریں۔ یا یہ کہ وہ آزادی کی فوج میں شامل ہوکر آزادی کے لیے ان کے دوش بدوش کھڑے ہوکر جنگ کریں اور اپنے لیے اپنی عظیم الشان قومیت کی پوزیشن کے مطابق اپنی کوششوں سے اپنی جگہ حاصل کریں (”الفصاری“ مورخہ ۳ رمضان ۱۳۵۶ھ)۔

غور کیجیے! یہ ارشاد گرامی کن مفروضات کا نتیجہ ہے؟ ”مسلمان جو کئی سال تک آزادی کی جنگ سے الگ رہے اور اب بھی ٹھٹکے ہوئے کھڑے ہیں، اس کی وجہ کچھ اور نہیں، محض بزدلی ہے۔ اور یہ قوم بزدل ہونے کے ساتھ کمینہ بھی ہے۔ جب آزادی کی فوج کے سورما سپاہی ــــ جو ظاہر ہے کہ اکثر و بیشتر غیرمسلم ہی ہیں ــــ شیروں کی طرح شکار مار لیں گے تو یہ جنگل کے ذلیل جانوروں کی طرح آکر حصہ لڑانے کی کوشش کرے گی“ ــــ یہ ہے مسلمانوں کی وہ تصویر جو ان الفاظ سے ذہن سامع میں بنتی ہے۔ اس کے ساتھ غیر مسلموں کی عظمت و بزرگی کا کیسا مرعوب کن نقشہ ذہن کے سامنے آتا ہے کہ گویا وہ شیران بیشۂ حریت ہیں جو تمام ہندوستان کے لیے آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ پھر یہ ”جنگ آزادی“ کس قدر پاک کیسی بے عیب اور کتنی بے لوث چیز فرض کی گئی ہے کہ اس میں کسی لوث کا شبہ کرنا تو گویا ممکن ہی نہیں، ایسی پاک جنگ، ایسے مقدس جہاد میں حصہ لینے سے مسلمانوں کا احتراز کرنا کسی معقول وجہ پر تو مبنی ہو ہی نہیں سکتا، اب

بس یہ ایک ہی وجہ رہ جاتی ہے کہ مسلمان بزدل، دوں ہمت اور کمینے ہیں!

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پروپیگنڈا کی طاقت کیسی زبردست طاقت ہے۔ اور جب کوئی قوم نامساعد حالات میں گھر جاتی ہے تو اس پر باہر ہی سے نہیں، اندر سے بھی کیسے مصائب نازل ہوتے ہیں۔ جو تصویر اپنی اغراض کے لیے غیروں نے کھینچی تھی، وہ اب خود ہماری اپنی قوم کے دماغوں میں بیٹھتی چلی جارہی ہے اور اس کو وہ لوگ ہماری اصلی تصویر کی حیثیت سے پیش کر رہے ہیں جن سے ہم توقع رکھتے تھے کہ وہ ہمارے سب سے بہتر نمائندے ہوں گے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ مولانا نے یہ باتیں جان بوجھ کر فرمائی ہیں؟ ہرگز نہیں۔ فضا جن خیالات سے بھر دی گئی ہے، وہ غیر محسوس طور سے دماغوں میں نفوذ کر رہے ہیں اور غیر ارادی طور سے زبانوں پر آرہے ہیں۔ یہ ایک جادو ہے جو سروں پر چڑھ کے بول رہا ہے، اور کیا بتائیے کہ کیسے کیسے عالی مقام سروں پر چڑھ کر کیا کچھ بول رہا ہے۔ "فرقہ پرستی" کا لفظ جو مغربی تصور قومیت کو پیش نظر رکھ کر وضع کیا گیا تھا، آج مسلمانوں کے علماء اور بڑے بڑے لیڈر اس لفظ کو خود مسلمانوں پر استعمال کر رہے ہیں۔ "نیشنلزم" یا "قوم پرستی" کا لفظ آج بے تکلف افتخار کے انداز میں بولا جارہا ہے۔ گویا یہ تسلیم کر لیا گیا کہ ہندوستان ایک "قوم" ہے، اور مسلمان، ہندو، عیسائی وغیرہ اس قوم کے فرقے ہیں۔ "رجعت پسندی" اور "ٹوڈیت" کے الزامات اب خود مسلمانوں کی طرف سے مسلمانوں پر عائد کیے جانے لگے ہیں، اور یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ آزادی کے اس جہاد مقدس میں کود پڑنے سے احتراز، بلکہ اس میں ادنیٰ تامل بھی اگر کسی چیز کا نتیجہ ہو سکتا ہے تو وہ بس رجعت پسندی و ٹوڈیت ہے، یا پھر بزدلی۔

اس طوفان کے شور و ہنگامہ سے دماغ اس درجہ متاثر ہو چکے ہیں کہ اب ان کو صبر و سکون کے ساتھ یہ سوچنے کی مہلت ہی نہیں ملتی کہ آخر وہ کیا چیز ہے جو مسلمان جیسی بہادر، عالی حوصلہ، حریت پسند

اور جنگ آزما قوم کو برابر دس سال سے اس جنگ میں اپنے شایانِ شان حصہ لینے سے روک رہی ہے؟ اور وہ کیا چیز ہے جس کی وجہ سے اپنوں اور غیروں کے اتنے طعنے اور ایسے سخت الزامات آئے دن سنتے رہنے کے باوجود اس قوم کے خون میں جوش نہیں آتا؟ اگر اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی کہ شائد یہ مسلمانوں کا قصور ہو، تو اس کی ایک دوسری ممکن وجہ یہ بھی تو ہو سکتی ہے کہ شائد اس "جنگ آزادی" میں کوئی کھوٹ ہو، شائد یہ "شیران بیشۂ حریت" اس جنس کے شیر نہ ہوں جن سے "اسد اللہ" میل کر سکتا ہے اور کرتا رہا ہے، شائد اس "آزادی کی فوج" میں وہ خصوصیات ہوں جنہیں دیکھ کر مسلمان کا ضمیر یہ فیصلہ کر رہا ہو کہ ان کے ساتھ چلکر میں اپنی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکوں گا۔ کم از کم امکان تو دونوں پہلوؤں کا ہے۔ پھر آخر یہ پروپیگنڈا کی طاقت اور نامساعد حالات کی قہرمانی نہیں تو اور کیا ہے جس کی بدولت رفتہ رفتہ دماغوں پر پہلی شق کا امکان جزم و یقین بن کر مسلط ہوتا جا رہا ہے، اور دوسری شق کے متعلق اب طوفان میں بہنے والی کشتی کے مسافروں اور کھویوں میں سے کسی کو بھی یہ یاد نہیں آتا کہ اس کا بھی کوئی امکان ہے۔

آج میں بہت ہی صاف صاف الفاظ میں ان حضرات کو دوسرا پہلو دکھانا چاہتا ہوں۔

جس جنگ آزادی کو وہ اتنا مقدس سمجھ رہے ہیں، میں بتانا چاہتا ہوں کہ وہ درحقیقت کس نوعیت کی جنگ ہے

جس آزادی کی فوج کو وہ سمجھ رہے ہیں کہ راہ حق پر گامزن ہے، میں بتانا چاہتا ہوں کہ وہ دراصل کس راہ پر جا رہی ہے اور مسلمان قوم بحیثیت مسلمان ہونے کے چند قدم سے زیادہ اس راہ پر اس کے ساتھ نہیں چل سکتی

جس طریقہ کار کو وہ بالکل صحیح طریقہ کار سمجھ کر اختیار کر رہے ہیں میں بتانا چاہتا ہوں کہ وہ خدا اور رسول کے بتائے ہوئے طریق کار کے بالکل خلاف ہے۔ یہ سب کچھ عرض کرنے کے بعد میں ان سے درخواست کروں گا کہ اس کو ٹھنڈے دل سے پڑھیں، انصاف کی نظر سے دیکھیں اور اس نور علم و بصیرت سے جو خدا نے ان کو دیا ہے کام لے کر اپنے حال پر غور کریں کہ آیا وہ مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کر رہے ہیں یا نہیں

اگر ان کا ضمیر گواہی دے کہ یہ رہنمائی غلط ہے تو انھیں بلا لحاظ اس کے کہ غلط راستہ پر کتنی دور جا چکے ہیں، الٹے قدم واپس ہونا چاہیے اور راہ راست معلوم کرنے کے لیے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اور اگر انہیں اس پر اصرار ہو کہ وہی راستہ صحیح ہے جس پر وہ چل رہے ہیں اور مسلمانوں کو چلانا چاہتے ہیں، تو میں ان سے مطالبہ کروں گا کہ پہلے وہ دلائل سے اپنا حق بجانب ہونا ثابت کریں۔ بعض شخصیتوں کے درمیان تقابل کرنا، یا سیاسی پارٹیوں کی گذشتہ موجودہ روش کے درمیان موازنہ کرنا، یا نرے جذبات سے سپہ سالارانہ انداز میں اپیل کرنا کوئی استدلال نہیں ہے اور نہ اس سے اِحقاق حق یا ابطال باطل ہوا کرتا ہے۔ براہ کرم حقائق اور واقعات کی دنیا میں آئیے۔ جو حقائق ہم پیش کر رہے ہیں، یا تو یہ ثابت کر دیجیے کہ وہ حقائق نہیں ہیں، یا پھر ان حقائق کو تسلیم کر کے دلیل و حجت سے ـــــ حجت خواہ عقلی ہو، یا نقلی، مگر بہرحال ہو حجت ـــــ ثابت کیجیے کہ ان کے باوجود وہی راہ صحیح ہے جو آپ نے اختیار کی ہے۔

یہ کوئی چیلنج نہیں ہے، بلکہ دراصل اُس احساس ذمہ داری سے ایک اپیل ہے جو ہر مسلمان کے دل میں ہوتا ہے، جس کی بنا پر وہ اپنے آپ کو اپنے ہر عمل کے لیے خدا کے سامنے جواب دہ سمجھتا ہے۔ پھر اس کا مقصد کسی گروہ کو ملزم بنانا اور قابل ملامت ٹھیرانے کی کوشش کرنا بھی نہیں ہے، جیسا کہ ایک پارٹی کے لوگ دوسری پارٹی والوں کے مقابلے میں کیا کرتے ہیں۔ جو شخص یہ الفاظ لکھ رہا ہے وہ کسی پارٹی میں بھی شامل نہیں اور اس نے آج تک خدا کی پارٹی کے سوا کسی پارٹی کی طرف بھی مسلمانوں کو دعوت نہیں دی ہے۔ لہٰذا اس اپیل میں خواہ مخواہ پارٹی فیلنگ کی بو سونگھنے کی بھی کوشش نہ کی جائے۔ اس کے ساتھ ایک اور بات بھی صاف کہہ دینا چاہتا ہوں میرا خطاب ائمۂ سیاست کے مقتدیوں سے نہیں بلکہ خود اماموں سے ہے۔ ان مقتدیوں سے میں کسی بحث میں نہیں الجھنا چاہتا جو محض جواب دینے کی خاطر جواب دیا کرتے ہیں بات کو پوری طرح سمجھنے کی کوشش

نہیں کرتے، اور بس اول نظر ہیں یہ دیکھ کر کہ کہنے والا کچھ ان کی ہوائے نفس کے خلاف کہہ رہا ہے، جوابی بحث شروع کردیتے ہیں۔

مسلمانوں میں ایک قلیل جماعت ایسی ضرور ہو سکتی ہے جو اپنی اغراض کے لیے ہندوستان میں غیر ملکی اقتدار چاہتی ہوگی، بالکل اسی طرح جس طرح کہ ہندوؤں، سکھوں، پارسیوں اور ہندوستان کی دوسری قوموں میں بھی ایسی قلیل التعداد جماعتیں موجود ہیں لیکن جمہور مسلمین میں شائد کوئی ایک شخص بھی آپ کو ایسا نہ ملیگا جو ہندوستان کو انگریزوں کا غلام دیکھنا چاہتا ہو۔ بلکہ مسلمانوں کے متعلق تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ تمام دوسری قوموں کی بہ نسبت انگریزی اقتدار کو بہت زیادہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان کا تو مذہب ہی انہیں یہ سکھاتا ہے کہ ظلم و جور کی حکومت سے نفرت کریں۔ پھر ان کے دلوں میں آج تک یہ زخم تازہ ہے کہ اس ملک کی حکومت انہی سے چھینی گئی تھی اور انہی کو سب سے زیادہ پامال کیا گیا۔ اس لیے نہ صرف فطرۃً بلکہ تاریخی اسباب کی بنا پر بھی مسلمان سب سے بڑھ کر آزادی کے خواہشمند ہیں۔

لیکن آزادی وطن کوئی پری نہیں ہے کہ ہر شخص بے اختیار اس کے عشق میں مبتلا ہو جائے اور جس رنگ میں بھی وہ جامہ پوش ہو، اس کے انداز قد پر فریفتہ ہی ہو کر رہے۔ کسی غیر ملک کا غلام نہ رہنا آزادی کا ایک شعبہ ہے، تمام آزادی نہیں ہے کہ محض اسی کے متحقق ہو جانے سے وطن کے ہر طبقہ کو وہ تمام فوائد حاصل ہو جائیں جن کے لیے اس کو آزادی مطلوب ہے۔ غیر ملکی اقتدار سے آزاد ہونا جہاں تک تعلق ہے، امریکہ ایک آزاد ملک ہے، مگر کیا امریکہ کے حبشیوں کو بھی کوئی آزادی حاصل ہے؟ جیکوسلوواکیا آزاد ہے مگر کیا وہاں کی جرمن آبادی کو بھی کوئی آزادی حاصل ہے؟ روس آزاد ہے مگر کیا وہاں کے مسلمانوں اور عیسائیوں کو بھی کوئی آزادی حاصل ہے؟ جنوبی افریقہ آزاد ہے مگر کیا وہاں کی دیسی اور ہندوستانی آبادی کو بھی کوئی آزادی حاصل ہے؟ ہندوستان کی

کبھی آزاد تھا، مگر کیا یہاں کے قدیم غیر آریہ باشندوں کو بھی کوئی آزادی حاصل تھی؟ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ان آزاد ممالک میں مظلوم قوموں پر خود ان کے اہل وطن نے وہ ظلم کیے ہیں اور کر رہے ہیں، جن کے مقابلہ میں غلام ممالک کے باشندوں پر غیر ملکی حاکموں کا ظلم و جور بھی گرد ہے؟

پس جب حال یہ ہے تو محض "آزادیِ وطن" کا نام لیکر یہ توقع کرنا کہ مسلمان اس جادو بھرے نام کو سن کر "شیر و شکر می شود جانم تمام" کہتے ہوئے دیوانہ وار دوڑ پڑیں گے، اور "آزادی کی فوج" کا شاندار نام لے کر یہ امید رکھنا کہ مسلمان ان کو غزاۃ و مجاہدین فی سبیل اللہ کی سی مقدس جماعت سمجھ کر خالص ایمانی جذبہ کے ساتھ ان کی صفوں میں آن شامل ہوں گے، سراسر خام خیالی ہے۔ اور اگر مسلمان اس توقع بیجا اور امید غلط کو پورا کرنے سے قاصر رہیں تو ان کو ملعون کرنا، خام خیالی سے بھی کچھ بڑھ کر ہے۔ نرم سے نرم الفاظ میں ہم اس کو ظلم کہیں گے اور کلام ملا فکر کی ایک بہت بری مثال قرار دیں گے۔

مسلمان یہ پوچھنے کا حق رکھتا ہے کہ "یہ آزادی کی فوج" جس چیز کے لیے جنگ کر رہی ہے وہ میری قومی اغراض کے لیے بھی مفید ہے یا نہیں۔ اگر اس کو آثار سے، قرائن سے، کھلی ہوئی علامتوں سے، خود اس فوج کے سپہ سالاروں کی زبان و قلم سے معلوم ہو جائے کہ اُن کی منزلِ مقصود مسلمان کی منزلِ مقصود سے بُعد المشرقین رکھتی ہے تو مسلمان اس فوج سے کنارہ کش ہو جانے میں بالکل حق بجانب ہوگا۔ اس کنارہ کشی کو غلط معنی پہنانا اور اس کو ٹوڈیت، رجعت پسندی، انگریزی اقتدار کی حمایت اور "فرقہ پرستی" سے تعبیر کرنا محض ظلم ہی نہیں بے عقلی بھی ہے۔ آخر کونسی معقول وجہ ہو سکتی ہے کہ مسلمان ایسی لڑائی میں اپنی جان و مال قربان کرے جو اسلامی اغراض کے لیے مفید نہ ہو؟ اگر یہ ٹوڈیت ہے تو غالباً یہ لفظاب فراستِ ایمانی کا ہم معنی ہو گیا ہوگا۔

آگے بڑھنے سے پہلے میں دو شبہات کا جواب عرض کر دوں۔

کہا جاتا ہے کہ جبرالٹر سے لیکر عدن اور بصرہ تک اسلامی ملکوں اور قوموں پر انگریزی استعمار کا جال صرف ہندوستانی خاطر پھیلایا گیا ہے جتنے مظالم بیرون ہند کی مسلمان قوموں پر ہوئے ہیں ان سب کی وجہ ہندوستان ہی ہے اسلیے ہندوستان کی آزادی کا سوال دنیا کے چالیس کروڑ مسلمانوں کی آزادی کا سوال ہے، اور اگر اس سوال کے حل کرنے میں ہندوستان کے آٹھ کروڑ مسلمان پامال بھی ہو جائیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ لہذا مسلمانوں کو اس وقت یہ نہ دیکھنا چاہیے کہ اس جنگ آزادی کے نتائج خود ان کے لیے کیا مرتب ہونگے بلکہ انھیں تمام نتائج سے بے پروا ہو کر بس جنگ میں کود پڑنا چاہیئے تاکہ کسی طرح انگریزی سلطنت کا خاتمہ ہو اور ممالک اسلامیہ آزاد ہو جائیں۔

یہ بات عام طور پر سیدھے سادھے مسلمانوں کو پرچانے کے لیے کہی جایا کرتی تھی اور چونکہ وہاں کچھ بہت کارگر ثابت ہوئی، اس لیے اب ہم دیکھتے ہیں کہ اسے ایک بہتر ہی وزنی دلیل اور بڑی کانٹے کی سیاسی بات سمجھ کر سنجیدہ مباحث میں بھی پیش کیا جانے لگا ہے، حالانکہ درحقیقت یہ بھی اسی خام خیالی کا ایک کرشمہ ہے۔ تدبر کا حصہ اس میں بہت کم ہے۔ تحریک وطن پرستی جس کو آپ "جنگ آزادی" فرما رہے ہیں، اگر کامیاب ہو جائے، اور اس کے نتیجہ میں انگریزی امپیریلزم کا خاتمہ ہو جائے تو بلاشبہ ممالک اسلامیہ انگریزوں کے جال سے نکل جائیں گے، مگر اس امر کی کوئی گارنٹی نہیں ہے کہ ہندوستان کی آئندہ سلطنت، برٹش امپائر کی جانشین نہ بن جائیگی۔ کوئی معقول وجہ یقین کرنے کی نہیں ہے کہ وزیرستان پر ایسی ہی وحشیانہ گولہ باریاں نہ ہونگی، افغانستان کی ترقی میں اسی طرح رکاوٹیں نہ ڈالی جائیں گی، ہندوستان کی بحری مدافعت کا بہانہ لیکر اسی طرح ان راستوں پر تسلط جمانے کی کوشش نہ کی جائے گی جن سے ہندوستان پر حملہ ہو سکتا ہے اور تاریخ کے دوران میں ہو چکا ہے۔ یہ وہی امپیریلسٹ پالیسی ایک دوسری شکل میں ہوگی۔ پھر آپ کو خبر ہے کہ تحریک وطن پرستی کی کامیابی کے معنی کیا ہیں؟ اس کے معنی یہ ہیں کہ مسلمان کا دل اندر سے بدل جائے اس کو اپنے برادران دینی کے مفاد سے بڑھ کر اپنے وطن کا مفاد عزیز ہو، اور وہ خود اس ہندوستانی امپیریلزم کا دل و جان سے حامی ہو۔ آپ کو یاد ہوگا کہ محمد علی جیسا سچا مسلمان جب وطن پرستی کے اثرات سے ذرا متاثر ہو گیا تھا تو اس نے کیا کہا تھا؟ اس نے کہا تھا کہ اگر باہر سے کوئی مسلم قوم ہندوستان

میں خالص اسلامی شرعی حکومت قائم کرنے کے لیے بھی حملہ کرے تو میں اس سے لڑوں گا۔ یہ وطن پرستی کا ایک ذرا سا غبار لگ جانیکا اثر تھا۔ اگر یہ رنگ گہرا چڑھ جائے تو ایک شخص جس کا نام عبداللہ یا عبدالرحمن ہوگا، وطنی اغراض کی خاطر اللہ کے گھر پر گولہ باری کرنے میں اس سے زیادہ دلیری دکھائیگا جو اس کے پیش رو نے انگریزی اغراض کی خاطر دکھائی تھی، اس لیے کہ انگریز کی غلامی کرنے والے مسلمان کا دل نہیں بدلا تھا۔ پیٹ اس کو لڑنے کے لیے لے گیا تھا اور دل اسکا اندر سے ملامت کر رہا تھا۔ مگر وطن پرست مسلمان کے اندر وہ ملامت کرنے والا ضمیر ہی باقی نہ رہے گا۔ وہ اعتقاد کی قوت کے ساتھ اس کام کو انجام دیگا۔ پس وطن پرستانہ جنگ آزادی ممالک اسلامیہ کے لیے بھی کسی طرح مفید نہیں ہے۔ آٹھ کروڑ ہندی مسلمانوں کی طرح بتیس کروڑ غیر ہندی مسلمانوں کی بھلائی کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ ہم اندھوں کی طرح ہر اس جنگ میں نہ کود پڑیں جس کا نام "جنگ آزادی" ہو، اور نہ دیوانوں کی طرح ہر اس فوج کے ساتھ لگ چلیں جس کا نام "آزادی کی فوج" ہو، بلکہ ہوشمندی کے ساتھ یہ دیکھیں کہ یہ فوج جس چیز کے لیے لڑ رہی ہے وہ ہماری قومی اغراض کے مطابق ہے یا نہیں۔

ایک اور بات جو تقریر یا تحریر میں نہیں بلکہ پرائیویٹ صحبتوں میں صرف مسلمانوں کو سنائی جاتی ہے اور بہت سے مسلمان اس سے دھوکہ کھا جاتے ہیں، یہ ہے کہ اس وقت جنگ جیسی کچھ بھی ہے اور جس طرح بھی ہو رہی ہے ہونے دو، بعد میں ہم اور ہندو آپس میں نمٹ لیں گے — یہ کہنے کے بعد مسلمانوں کو اس حیات بعد التحریت میں فتح و ظفر کے امکانات بڑے امید افزا طریقہ سے سنائے جاتے ہیں۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ مشرک ہندوؤں میں اتنا بل بوتا کہاں کہ توحید پرست مسلمانوں کے مقابلہ میں ٹھیر سکیں، میدان بہرحال تمہارے ہی ہاتھ ہے۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ تمہاری پشت پر خیبر سے لے کر مراکش تک کے مسلمان ہیں، بھلا وہ تمہیں شکست کھانے دیں گے؟ یہ اور ایسی ہی خدا جانے کتنی فضولیات بیان کی جاتی ہیں جن کو سن کر بیچارے سادہ لوح مسلمان تو "جنگ آزادی" کے فریب میں

مبتلا ہو جاتے ہیں، مگر جن کو خدا نے کچھ بصیرت عطا فرمائی ہے اور جو ہندوستان کے موجودہ حالات سے کچھ واقفیت رکھتے ہیں، وہ غریب اس سوچ میں پڑ جاتے ہیں کہ جس قوم کی سیاسی پالیسی ایسی ایسی خام خیالیوں اور طفل تسلیوں پر مبنی ہو جائے اس کا کیا حشر ہوگا؟

اس غلط خیال کی اصلاح کے لیے صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ ہندوستان کی یہ جنگ آزادی کسی خونریز انقلابی تحریک کی شکل میں نہیں ہے، بلکہ ایک تدریجی دستوری انقلاب کی شکل میں ہے اسلیے یہ تخیل ہی سراسر لغو ہے کہ انگریزی سلطنت کا خاتمہ ہونے کے بعد آپ کو آپس میں نمٹنے کا کوئی موقع ملیگا۔ خونریز انقلابی تحریک کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب وہ کامیاب ہوتی ہے تو یکایک قصر سلطنت مسمار ہو جاتا ہے، تمام ملک میں انارکی اور بے نظمی پھیل جاتی ہے، اور پھر نئے سرے سے ایک نظام حکومت وجود میں آنا شروع ہوتا ہے۔ ایسی صورت اگر ہو تو بلاشبہ یہ کہنا معقول ہے کہ پہلے اس قصر کو گرا لو، پھر دوسرا قصر بناتے وقت قوت آزمائی کر لیں گے، جو غالب رہے گا اسی کی مرضی کے مطابق قصر تعمیر ہوگا لیکن یہاں یہ صورت نہیں ہے۔ پر امن انقلابی تحریک کے دباؤ سے پرانا قصر آہستہ آہستہ منہدم ہو رہا ہے اور نیا قصر آہستہ آہستہ منہدم شدہ بنیادوں پر اٹھتا جا رہا ہے حتٰی کہ پرانے قصر کا انہدام جس وقت مکمل ہوگا اسی وقت نئے قصر کی تعمیر بھی آپ سے آپ مکمل ہو جائے گی۔ اس امر میں اگر پہلے کسی شبہہ کی گنجائش بھی تھی تو وہ اب نہیں رہی، کیونکہ "آزادی کی فوج" نے جدید اصلاحی دستور کے تحت وزارتیں مرتب کر لی ہیں، جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ تدریجی دستوری انقلاب چاہتی ہے، نہ کہ ایسا انقلاب جس میں موجودہ حکومت کے کامل انہدام تک بالکلیہ عدم تعاون کیا جائے اور جب وہ منہدم ہو چکے اس وقت اپنی مرضی کے مطابق نیا نظام حکومت قائم کیا جائے۔ پس جب صورت حال یہ ہے تو بعد میں نمٹنے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ اگر آپ کو نمٹنا ہے تو اسی "جنگ آزادی" کے دوران میں نمٹنا چاہیے اور آخر تک نمٹتے رہنے کے لیے ہر وقت مستعد رہنا چاہیے۔ ورنہ اگر آپ اسی خیال خام

میں نمٹنے کے سوال کو "بعد" کے لیے ملتوی کرتے رہے، تو وہ "بعد" کبھی آئے گا ہی نہیں جب آپکو نمٹنے کا موقع ملے گا حکومت کے اندر ایک حکومت آہستہ آہستہ بنتی رہے گی، ایک دار الکفر کی جڑ سے دوسرا دار الکفر آہستہ آہستہ پیدا ہوتا رہے گا، یہاں تک کہ پرانے دار الکفر کے ختم ہوتے ہی نئے دار الکفر کی گرفت اسی طرح ہندوستان پر قائم ہوجائے گی جس طرح پرانے دار الکفر کی تھی، پھر اُس کی شکل بدلنا اتنا ہی مشکل ہوگا جتنا آج اس دار الکفر کی شکل بدلنا مشکل ہو رہا ہے۔

اب آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ "آزادی کی فوج" میں بلا تامل شرکت کا مشورہ کیسے غلط اور بے اصل دلائل پر مبنی ہے۔

اس کے بعد ہم پھر اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ کوئی لشکر آزادی، مجرد لشکر آزادی ہونے کی بنا پر ہرگز اس کا مستحق نہیں ہے کہ مسلمان پر اس کی شرکت فرض ہوجائے۔ مسلمان کو یہ حق پہنچتا ہے، بلکہ عقل و دین دونوں کی طرف سے اس پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وطن کے مجموعی مفاد اور اپنے قومی مفاد پر یکساں نظر رکھے، اور کسی لشکر آزادی کے ساتھ تعاون کرنے سے پہلے یہ دیکھ لے کہ جس آزادی کے لیے وہ جنگ کر رہا ہے اس میں مسلمان کے لیے بھی آزادی ہے یا نہیں۔

مسلمان کی آزادی، اسلامی اغراض، قومی مفاد، یہ مبہم الفاظ جو میں استعمال کر رہا ہوں، ان کی تشریح اس سے پہلے ان صفحات میں کرچکا ہوں، مگر آگے جو کچھ کہنا چاہتا ہوں اس کی تفہیم کے لیے ضرورت ہے کہ یہاں پھر صاف اور صریح الفاظ میں بیان کر دیا جائے کہ ان الفاظ سے کیا مراد ہے۔

مسلمان کی آزادی سے مراد یہ ہے کہ آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کو اُس نقصان کی تلافی کا موقع مل جائے جو انگریزی حکومت کے تسلط سے ان کی تہذیب اور قومیت کو پہنچا ہے۔ آزاد ہندوستان کی حکومت میں مسلمانوں کو اتنا اقتدار حاصل ہو کہ وہ خالص اسلامی اصولوں پر اپنے نظام اجتماعی کو از سرِ نو مرتب کر سکیں، قوانین شرعی کو اپنی قوم کے افراد پر نافذ کرسکیں، اپنی جماعت میں احکام اسلامی سے

انحراف اور غیر اسلامی خیالات اور طریقوں کی اشاعت کو روک سکیں، تعلیم کے اس نظام سے جو سراسر مخالفِ اسلام ہے، اور جس کی بدولت مسلمانوں کو بتدریج و باقساط مرتد بنایا جارہا ہے، نجات حاصل کرسکیں اور اپنے اصولوں کے مطابق اپنی قوم کی تعلیم کا انتظام کرسکیں۔

مسلمان کی آزادی سے مراد یہ ہے کہ آزاد ہندوستان کے نظامِ حکومت میں دوسری قوموں کے ساتھ مسلمانوں کو بھی اپنا اختیارِ تمیزی استعمال کرنے کا پورا موقع حاصل ہو تاکہ خارجی یا داخلی معاملات میں، قانون سازی اور اس کے نفاذ میں، نظم مملکت اور اس کے مختلف شعبوں میں، ہندوستان کی حکومت کبھی کوئی ایسی پالیسی اور طریق کار اختیار نہ کرسکے جو مسلم قوم کے اصولِ تہذیب کے خلاف ہو، یا جس سے مسلمانوں کو من حیث القوم نقصان پہونچتا ہو، یا جس سے بیرون ہند کی کسی مسلم قوم کا مفاد متأثر ہوتا ہو۔

مسلمان کی آزادی سے مراد یہ ہے کہ آزاد ہندوستان کے باشندوں کو ترقی کے جتنے وسائل حاصل ہوں ان سے فائدہ اٹھانے میں مسلمان بھی سب کیساتھ برابر کا شریک ہو، اور کوئی طاقت اس کے ساتھ امتیازی سلوک کرنے کی جرأت نہ کرسکے۔

یہ کم سے کم مرتبہ ہے آزادی مسلم کا۔ مسلمان آزادی وطن کا خواہشمند صرف اسی لیے ہے اور اسی لیے ہوسکتا ہے کہ وطن میں اس کو کم از کم اتنی آزادی حاصل ہو۔ اگر یہ نہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان کو آزادی وطن سے کسی قسم کی دلچسپی ہو۔ اس میں مسلمان کی کوئی خصوصیت نہیں۔ دنیا کی کسی قوم یا کسی جماعت سے بھی آپ یہ توقع نہیں کرسکتے کہ وہ کسی ایسی جنگ آزادی وطن میں شریک ہونے کے لیے تیار ہوگی جس میں اسے اپنے قومی یا جماعتی مقاصد حاصل ہونے کی امید نہ ہو۔ پھر اگر کہیں کوئی تحریک آزادی علانیہ ایسے طریقوں پر چلائی جائے جو کسی قوم کے مفاد بلکہ عین اس کے قومی وجود ہی کو نقصان پہونچانے والے ہوں، اور اس پر بھی کوئی شخص اس قوم سے یہ توقع رکھے کہ وہ

ایسی تحریک میں جوق جوق شریک ہوگی تو ایسے شخص کو مشورہ دیا جائے گا کہ کسی دماغی ہسپتال کی طرف رجوع کرے۔ ہر قوم میں ایسے افراد تو آپ کو ضرور مل جائیں گے جو کسی نہ کسی وجہ سے اپنے اوپر ایسی غیر فطری حالت طاری کرسکتے ہوں کہ آزادی وطن کے لیے خود اپنی قوم کے مفاد کو قربان کردینا ان کو گوارا ہو۔ اور ایسے افراد بھی آپ کو مل سکیں گے جن کو دن کی روشنی میں بھی ایک ظاہر چیز نظر نہ آتی ہو اور وہ آنکھ بند کرکے لشکر آزادی کے پیچھے چلے جائیں، مگر پوری قوم کی قوم نہ اندھی ہوسکتی ہے اور نہ اپنے خلاف خود خیانت کرسکتی ہے، اس لیے ایسی قوم آپ کو کہیں نہیں مل سکتی۔

آئیے اب ہم یہ دیکھیں کہ آزادی کی یہ فوج، جس کا نام کانگریس ہے، کس طرف جا رہی ہے، اور جس سمت پر یہ جا رہی ہے، کیا اس کے ساتھ اسی سمت پر چل کر مسلمان کبھی اپنے اس مقصد کو پہنچ سکتے ہیں جس کی تشریح ہم نے اوپر کی ہے، نیز یہ کہ مسلمانوں کے متعلق جو پالیسی کانگریس نے اختیار کی ہے وہ کس نوعیت کی ہے، اس سے مسلمانوں پر کیا اثرات مترتب ہو رہے ہیں اور آئندہ کیا نتائج برآمد ہونے کی توقع ہے۔

ان امور کی تحقیق کے لیے میں اپنی بحث کی ابتدا پنڈت جواہر لال نہرو کی خود نوشت سوانح عمری سے کروں گا اس لیے کہ جواہر لال ہی اس پالیسی کے مصنف ہیں جس پر کانگریس اس وقت مسلمانوں کے ساتھ معاملہ کر رہی ہے اور انہی کی ہدایت و رہنمائی میں مسلم عوام سے ربط قائم کرنے کا جدید طریقہ اختیار کیا گیا ہے لہٰذا اُن سے بہتر کوئی شخص ہم کو یہ نہیں بتا سکتا کہ اس پالیسی کی تہ میں دراصل کونسے محرکات کام کر رہے ہیں اور کیا مقاصد پیش نظر ہیں۔ علاوہ بریں جواہر لال وہ شخص ہے جس سے توقع کی جاتی ہے کہ کانگریس میں گاندھی کی جگہ وہی لے گا، اور اب بھی گاندھی کے بعد وہی کانگریس میں سب سے زیادہ طاقتور آدمی ہے، لہٰذا ہم یہ سمجھنے میں بالکل حق بجانب ہیں کہ تحریک آزادی وطن کی جو منزل مقصود اس کے پیش نظر ہے اسی کی طرف وہ بالآخر کانگریسی نظام کو کھینچ لے جائیگا۔ (باقی)